خودکشی کا افسوسناک رجحان

مسئلہ کی شرعی حیثیت، سماجی ومعاشی محرکات وعوامل، گزارشات

پروفیسر مفتی منیب الرحمٰن

چیرمین مرکزی رویت ہلال کمیٹی پاکستان

سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل (حکومتِ پاکستان)

مغربی ممالک اور دنیا کے دیگر ممالک میں خودکشی کا رجحان (Phenomenon) ہمیشہ ایک خاص تناسب کے ساتھ جاری رہا ہے بلکہ چند سال قبل جاپان میں اجتماعی خودکشی کے واقعات بھی رونما ہو چکے ہیں، لیکن الحمدللہ عالم اسلام اکا دکا نادر الوقوع واقعات کے علاوہ اس لعنت سے ہمیشہ محفوظ رہا ہے اور اس رجحان نے کبھی بھی ایک رویّے کی شکل اختیار نہیں کی، لیکن بدقسمتی سے گزشتہ چند ماہ سے تواتر وتسلسل کے ساتھ خودکشی کے سانحات رونما ہوئے ہیں، اور اس افسوسناک رجحان نے معاشرے کے اجتماعی ضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے، اور اہل فکر ونظر نے اس مسئلے کی سنگینی پر توجہ دی ہے۔ سطور ذیل میں ہم اس افسوسناک رجحان کے شرعی پہلو، سماجی ومعاشی محرکات وعوامل اور منفی اثرات پر قدرِ تفصیل کے ساتھ گفتگو کریں اور ارباب حل وعقد اور اہل نظر کی توجہ کیلئے چند اہم گزارشات پیش کریں گے۔

اسلام میں خودکشی حرام ہے:

اسلام کی رو سے انسان اپنی جان کا مالک ومختار نہیں ہے، انسان کی جان اور اس کا وجود اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اسکی ودیعت وامانت ہے، انسان کو صرف اس جسم وجان کے تصرف واستعمال کا اختیار دیا ہے اور اس کیلئے شریعت نے حدود وقیود بھی مقرر فرمادی ہیں، اسی تصرف اختیاری پر جزا وسزا کا مدار ہے۔ انسان چونکہ اپنے جسم وجاں کا مالک نہیں ہے، اس لئے اسے اپنی جان یا کسی عضو کو تلف کرنے، کاٹ پھینکنے یا فروخت کرنے کا اختیار نہیں ہے، یہ تمام افعال وتصرفات ممنوع اور حرام ہیں، جان لینے اور تلف کرنے کا

اختیار صرف اسی قادرِ مطلق اور خالقِ ازل کا ہے جس نے یہ جان تخلیق فرمائی ہے، وہ جب چاہے اپنی اس امانت کو واپس لے سکتا ہے، کسی کو مجال انکار نہیں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) ''اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو (بقرہ: ۱۹۵)''۔

(۲) ''اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بلاشبہ اللہ تم پر بڑا مہربان ہے (النساء: ۲۹)''۔

خودکشی گناہ کبیرہ ہے:

اسلام میں خودکشی گناہ کبیرہ ہے اور اس کا مرتکب جہنم کا سزاوار ہوگا، دنیا میں تو وہ ایک مرتبہ اپنی جان تلف کرتا ہے، لیکن اس کی سزا کے طور پر اسے طویل عرصے تک اور لاتعداد بار اس اذیت سے گزرنا پڑے گا، غور فرمایئے! اس کا انجام کتنا ہیبت ناک اور ہولناک ہے، صحیح مسلم کتاب الایمان میں حدیث ہے: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی آہنی ہتھیار سے خودکشی کرے تو جہنم میں وہ ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ اس ہتھیار سے ہمیشہ جہنم میں اپنے آپ کو زخمی کرتا رہے گا، اور جو شخص زہر سے خودکشی کرے گا، تو وہ جہنم میں ہمیشہ زہر کھاتا رہے گا، اور جو شخص کسی پہاڑ (یا بلند وبالا عمارت ومینار) سے گر کر خودکشی کرے گا تو وہ (اس عمل کی سزا کے طور پر) ہمیشہ جہنم (کے گہرے گڑھوں) میں گرتا رہے گا''۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ طفیل بن عمرو دوسی اپنی قوم کے ایک شخص کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے، ان کا وہ ساتھی مدینہ طیبہ میں بیمار ہوگیا، جب بیماری کی تکلیف اس کے لئے ناقابل برداشت ہوگئی تو اس نے ایک لمبے تیر کے پھل سے اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے، اس کے نتیجے میں اس کے دونوں ہاتھوں سے اتنا خون بہہ نکلا کہ اسی سبب سے اس کا انتقال ہوگیا، حضرت طفیل نے اسے خواب میں اچھی حالت میں دیکھا، لیکن اس نے اپنے دونوں ہاتھ لپیٹے ہوئے تھے، حضرت طفیل نے اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟، اس نے کہا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کرنے کی برکت سے بخش دیا، حضرت طفیل نے پوچھا: یہ ہاتھ تم نے کیوں لپیٹے ہوئے ہیں؟، اس نے جواب دیا: ''مجھے (ذات باری تعالیٰ کی جانب سے) یہ کہا گیا کہ جس چیز کو تم نے خود بگاڑا ہے، اسے ہم درست نہیں کریں گے، حضرت طفیل نے جب یہ خواب نبی کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں بیان کیا، تو آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ! (میرے) اس صحابی کی ہاتھوں کی خطا کو بھی معاف فرما''۔ غور فرمایئے! وہ شخص تو صحابیِ رسول تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے ہجرت کے شرف سے نوازا تھا، بلاشبہ اس نے موت سے پہلے اپنی اس خطا پر صدقِ دل سے توبہ بھی کرلی ہوگی، اور حضور انور ﷺ کے وسیلۂ جلیلہ سے توبہ قبول بھی ہوگئی، لیکن اس کے باوجود اس گناہ کبیرہ وقبیحہ کی علامت کے طور پر اس کے ہاتھ لپیٹے

ہوئے تھے، یعنی اپنی اصلی حالت پر بھی سلامت نہیں تھے، اس لئے انہوں نے اس عیب کو چھپانے کیلئے انہیں لپیٹ رکھا تھا، اللہ جل شانہ نے اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے وسیلۂ شفاعت سے ان کی کلی مغفرت فرمادی، لیکن صحابیت، ہجرت اور دیدار مصطفیٰ ﷺ کا شرف رکھنے والا آج کے دور میں تو کوئی نہیں ہوسکتا۔

زیست نعمت ربانی اور موت اختیار خالق:

پس اسلام کی رو سے زیست نعمت باری تعالیٰ اور موت اختیار خالق ہے، یہ دونوں امور بندے کے دائرۂ اختیار سے باہر ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اس نے موت اور زندگی کو تمہاری آزمائش کیلئے پیدا کیا کہ تم میں سے کس کا عمل سب سے بہتر ہے (الملک:۲)''۔ جو حیات کو پیدا کرنے والا ہے، اسے سلب کرنے کا حق بھی اسی کو حاصل ہے، اس لئے حدیث پاک میں موت کی تمنا کرنے اور موت کی دعاء کرنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے، کون جانتا ہے کہ آنے والے لمحات میں کسی کیلئے خزانۂ قدرت میں کون سی خیر مستور ہے، چشم فلک نے بارہا لوگوں کے حالات کو پلٹتے ہوئے، تنگدستی کو فراخی رزق سے، اذیت کو راحت سے، مرض کو صحت سے، ضعف کو قوت سے اور محکومی کو اختیار واقتدار سے بدلتے دیکھا ہے، کوئی کیونکر فرض کرلیتا ہے کہ آنے والے کل کے دامن میں اس کے لئے امید کی کوئی کرن، چیز کا کوئی ذرہ، راحت کا کوئی لمحہ اور کامیابی وکامرانی کی کوئی نوید جانفزا نہیں ہے، غیب کا علم تو ذات باری تعالیٰ کو ہے، اس لئے کوئی شخص زندگی کی کلفتوں سے اگر بہت زیادہ اکتا گیا ہے، اسے اپنی کم ہمتی، کوتاہ بینی اور بے بضاعتی کی وجہ سے اگر موت ہی کی دامن میں عافیت نظر آتی ہے اور وہ ناامیدی کی اس انتہا کو پہنچ گیا ہے، تب بھی اسے علی الاطلاق موت کی دعاء کی اجازت نہیں دی گئی، حدیث پاک میں ہے:

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی کو کوئی دکھ اور مصیبت پہنچی ہے تو اس کے باعث موت کی تمنا بالکل نہ کرے، اور اگر وہ لازماً کرنا ہی چاہتا ہے تو (مستقبل کا حال اور علم اللہ کے سپرد کرکے) اسے چاہئے کہ یوں کہے، اے اللہ! (تیرے علم کے مطابق) جب تک میرے لئے زندگی بہتر ہے تو، تو مجھے (اس وقت تک) زندہ رکھ، اور جب (تیرے علم کے مطابق) میرے لئے موت بہتر ہو تو، تو مجھے (ایمان کی) موت عطا فرما، (متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ)''۔

قرآن وحدیث کے ان صریح ارشادات کی روشنی میں کوئی صاحب ایمان خودکشی کا تصور بھی نہیں کرسکتا، یہ تو وہ کرے جسے یقین راسخ ہو کہ موت واقع ہونے کے ساتھ ہی فوز وفلاح اور راحت وسکون کی کوئی اعلیٰ منزل اس کی منتظر ہے، لیکن نصوص قطعیہ سے جب یہ بات ثابت ہے کہ نار جہنم کے شعلے اس کے منتظر ہیں، تو اسے اس فعل قبیح کا سوچنا بھی نہیں چاہئے۔

دینی شعور وآگہی کا فقدان:

ہمارے معاشرے میں حال ہی میں رونما ہونے والے خودکشی کے رجحان اور اس لہر کا سب سے بڑا سبب دینی تعلیمات سے دوری ہے اور دینی شعور وآگہی کا فقدان ہے، اور حکومت کے زیر کنٹرول سب سے مؤثر میڈیا، الیکٹرانک میڈیا ہے، وہ فحاشی، عریانی، تشدد، دہشت اور شر کے فروغ میں تو ہمہ وقت مصروف ہے، صحیح دینی شعور کی آگہی پیدا کرنا اس کی ترجیحات میں نہیں ہے، اور ہمارے پرنٹ میڈیا کا رول بھی زیادہ قابل رشک نہیں ہے، لہٰذا سب سے اولین ترجیح دینی شعور وآگہی کے فروغ کو دینی چاہئے، کیونکہ ہمارے معاشرے میں خودکشی کا مرتکب شخص اپنی عاقبت کو تو برباد کرتا ہی ہے، اپنی ذات سے وابستہ کئی دوسرے افراد کی زندگیوں کو بھی ناقابل برداشت اذیت اور لاینحل مسائل سے دوچار کردیتا ہے۔

معاشی مسئلہ:

خودکشی کے بہت سے واقعات کے پس پشت بے روزگاری، تنگ دستی، فاقہ کشی اور معاشی محرومیوں کے عوامل کارفرما ہوتے ہیں، اور اس کی سب سے بڑی ذمہ داری وقت کے اہل اقتدار پر ہوتی ہے، اس کے بعد معاشرے کے ان طبقات پر جو چند سو یا چند ہزار افراد یا خاندانوں پر مشتمل ہیں لیکن ملک کے اسی فیصد وسائل پر قابض ہیں، اور بدقسمتی سے ہمارے اہل اقتدار بھی اس طبقے کا حصہ بلکہ سرخیل ہیں۔ اسلام ارتکاز دولت کے خلاف ہے کہ چند لوگ سارے وسائل پر قابض ہوں اور لوگوں کی اکثریت ''کیلا یکون دولۃ'' سے بھی محروم ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''ایسا نہ ہو کہ (ساری دولت) مالداروں ہی کے درمیان گردش کرتی رہے (الحشر:۷)''۔

اسلام دولت اور وسائل رزق کی تقسیم کا حکم دیتا ہے تاکہ ان کا فیض ساری انسانیت کے لئے عام ہو، اسلام کا اگر ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ انسان اپنی جان کا مالک ومختار نہیں بلکہ صرف متصرف ہے، مال ودولت کے بارے میں بھی اس کا نظریہ یہی ہے کہ اس کا مالک حقیقی وہی ہے جس نے اسے تخلیق کیا ہے، انسانوں کی طرف ملکیت کی نسبت مجازاً ہے، اور دولت کے کمانے، جمع کرنے اور خرچ کرنے کے لئے حلال وحرام اور فضل واحسان کے بڑے جامع اصول اسلام نے عطا کئے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور (آخر) کیا سبب ہے کہ تم (اپنی دولت کو) راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے، حالانکہ زمین وآسمان میں جو کچھ ہے وہ (درحقیقت) اللہ ہی کی ملکیت ہے، (الحدید:۱۰)''۔ اور اسلام یہ بھی تعلیم دیتا ہے کہ غرباء کو اس نظریے سے جذبۂ تکبر وتفوق کے ساتھ نہ دو کہ تم ان پر احسان کررہے ہو، بلکہ یہ سمجھ کر دو کہ تمہارے مال میں ان کا حق ہے جو تم انہیں لوٹا کر اپنے دینی فریضے سے عہدہ برا ہو رہے ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور ان (اہل ثروت) کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہے، (الذاریات:۱۹)''۔ اور دوسرے مقام

پر فرمایا: ''اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت عطا کی ہے، پس جن کو فضیلت دی گئی ہے، وہ ایسے نہیں ہیں کہ اپنا رزق اپنے غلاموں (اور زیردستوں) کو لوٹا دیا کریں، تو کیا یہ لوگ اللہ کی نعمت کا انکار کر رہے ہیں۔ (النحل: ۷۱)''۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مالوں میں زکوٰۃ فرض کی ہے، تو اسے ان کے مالداروں سے لے کر ان کے فقراء کی طرف لوٹا دیا جائے، (صحیح بخاری: کتاب الزکوٰۃ)''۔

جب نظام مملکت وحکومت میں تقسیم دولت کا منصفانہ اور عادلانہ نظام نہیں ہوگا، تمام تر وسائل دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو جائیں گے، تو معاشی ناہمواریاں اور محرومیاں جنم لیں گے، اور اسی طرح کے سانحات رونما ہوتے رہیں گے اور خدانخواستہ یہ حالات طبقاتی تصادم پر بھی منتج ہو سکتے ہیں، مغربی ممالک میں بھی ارتکاز دولت اور سرمایہ دارانہ نظام اپنے عروج پر ہے لیکن وہاں بنیادی انسانی ضروریات کی فراہمی پر شہری کے لئے ممکن یا لازمی بنا دی گئی ہے اور تعلیم، معاش اور ترقی کے ہر میدان کو مسابقت (Competition) کیلئے کھلا رکھا گیا ہے، میرٹ اور اہلیت پر افراد پروری، رشوت کی گرم بازاری اور لوٹ کھسوٹ کو ترجیح نہیں دی گئی، یہ خرابیاں ان کے ہاں بھی بلاشبہ ہیں لیکن قابل برداشت حد تک۔

سماجی مسئلہ:

ان سانحات کا ایک سبب ہمارے متضاد رویوں پر مبنی سماجی حالات ہیں، گھریلو ناچاقیاں اور شادی کے مسائل پر والدین اور اولاد کی ترجیحات کا ٹکراؤ ہے، اور ان معاملات میں ایثار، تحمل (Tolerance)، ایک دوسرے کے نقطۂ نظر سے مطابقت پیدا کرنے (Adjustability) سے کلی انکار اس کا سبب ہے، ایک طرف ہمارے ہاں کافی حد تک آزاد روی رائج ہو گئی ہے، بیشتر تعلیمی اداروں اور بالخصوص اعلیٰ تعلیمی اداروں میں نظام تعلیم مخلوط ہے، رہی سہی کسر ٹی-وی نے پوری کر دی ہے، بلکہ اس نے تو غضب ہی ڈھا دیا ہے اور اب ہماری دیہی آبادی کا غالب حصہ اس کی زد میں ہے، یہ وہ فحاشی ہے جو جبراً مسلط کر دی گئی ہے، ممکن ہے کچھ لوگ اپنے دل کو یوں تسلی دیتے ہوں کہ ہماری بچیاں نقاب اوڑھ کر جاتی ہیں، بلاشبہ اخلاقی تنزل کے اس دور میں یہ بہت بڑا جہاد ہے اور بڑے اجر کی بات ہے، لیکن جہاں انہیں جانا ہے، وہاں تو ماحول بے حجاب بلکہ بے قابو ہے، جبکہ ماحول میں ایمان وعرفان اور نورانیت کی بہاریں اپنی اوج کمال پر تھیں، اس عہد مبارک میں احتیاط کا عالم کیا تھا، ملاحظہ کیجئے: ''حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد کا واقعہ ہے کہ میں اور حضرت میمونہ رسول اللہ ﷺ کے پاس تھیں کہ نابینا صحابی عبداللہ بن ام مکتوم حاضر خدمت ہوئے، حضور نے فرمایا: ''تم دونوں پردہ کرو''، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ تو نابینا ہیں، نہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں اور نہ پہچان سکتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم دونوں بھی نابینا ہو، کیا تم دونوں ان کو دیکھ نہیں رہی ہو؟ (جامع

ترمذی: کتاب الادب)''۔

لہٰذا میری والدین سے دردمندانہ گذارش ہے کہ وہ اولاً تو اپنی اولاد کی دینی واخلاقی تربیت پر بچپن سے توجہ دیں، انہیں حالات اور ماحول کے رحم وکرم پر نہ چھوڑیں، شادی کے مسئلے میں فقہ حنفی کی رو سے اولاد کی رضامندی ضروری ہے، اور والد سرپرت (ولی) کے حقوق کا بھی کافی حد تک تحفظ کیا گیا ہے، دونوں میں کافی حد تک توازن ہے، اگر رشتے کے سلسلے میں بیٹے یا بیٹی کا انتخاب اپنا ہے اور وہ درست ہے تو اسے قبول کیجئے، نامناسب ہے تو دلائل سے اپنی اولاد کو قائل کیجئے، اگر وہ تسلیم کر لیں تو آپ کی خوش نصیبی اور ان کی سعادت مندی ہے، اور نہ مانیں اور کسی صورت نہ مانیں تو اپنی مطابقت کی صورت پیدا کیجئے، عالم شباب میں بلاشبہ انسان جذبات کی زد میں بہہ جاتا ہے، اس کی غلطی کا امکان اسی فیصد تک ہو سکتا ہے، تو والدین بھی تو خطا سے معصوم نہیں ہیں، بیس فیصد غلطی کا امکان ان کے فیصلے، رائے اور اجتہاد میں بھی ہو سکتا ہے، اور اس کی مثالیں آئے دن ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں، لہٰذا جہاں عقل جواب دے جائے، وہاں معاملہ اللہ کے سپرد کر دینا چاہئے، اور اس کی تقدیر پر راضی وشاکر ہو کر مفاہمت ومطابقت اور ایثار کا ماحول پیدا کرنا چاہئے، گزشتہ سال بھر میں کتنے ایسے واقعات اخبارات کی زینت بنے، والدین، خاندان اور خود بچیوں کی رسوائی ہوئی، قتل وتشدد تک نوبت آ پہنچی، لیکن ناکامی ونامرادی اور رسوائی کے سوا کیا ہاتھ آیا۔

خودکشی کے ہر واقعے کا انفرادی تجزیہ ضروری ہے:

یہ ضروری نہیں کہ خودکشی کے ہر واقعے کے پیچھے ایک ہی نوعیت کے عوامل کارفرما ہوں، حقائق تک رسائی کیلئے ہر واقعے کا جدا جدا سائنٹیفک تجزیہ ضروری ہے، ہو سکتا ہے بعض واقعات کے پیچھے قتل عمد کا سنگین جرم کارفرما ہو اور خودکشی کی عام لہر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کمال عیاری سے اسے خودکشی کا رنگ دے دیا گیا ہو، ماضی میں بعض ہتھوڑا قتل کے واقعات کا ذہانت سے تعاقب کیا گیا تو وہ دانستہ انتقامی قتل کے واقعات نکلے، مغربی ممالک میں فارمولا تفتیش کی روش سے ہٹ کر ہمیشہ ہر سانحے یا اہم واقعے کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے اور وہ اکثر کامیابی پر منتج ہوتی ہے۔

خودکشی کی راہ اختیار کرنے والوں سے گزارش:

خودکشی پست ہمتی، بزدلی، قنوطیت (Desparateness)، یاس وحرمان اور بے عملی کا دوسرا نام ہے۔ اور یہ بحیثیت مجموعی معاشرے کے تنزل، پژمردگی، اضمحلال اور احساس شکست کی آئینہ دار ہے، یہ کسی صحت مند معاشرے کی علامت ہرگز نہیں ہے، انسان کی اصل متاع اور اس کا سب سے قیمتی سرمایہ ایمان ویقان، عزم وہمت، جذبۂ عمل اور بدی کی قوتوں سے زبردست قوت مزاحمت ہے۔ شکست خوردہ ذہنیت کے حامل لوگ خودکشی کی راہ پر چل پڑتے ہیں، کیونکہ ان میں زندگی کے حقائق اور

مصائب کا سامنا کرنے کی ہمت اور حوصلہ نہیں ہوتا۔ زندہ دل، بیدار مغز، اولوالعزم اور قوت ایمانی کے حامل لوگ عالی ہمتی سے مصائب کا مقابلہ کرتے ہیں، گر کر پھر اٹھتے ہیں، اگر جھپٹ کر پلٹتے ہیں تو پلٹ کر پھر جھپٹتے ہیں، دکھ سہتے ہیں، دکھ پالتے نہیں، اور آخر کار کامیابی ان کا مقدر ہوتی ہے، جان ہی دینی ہے تو ''جان آفریں'' کے نام پر دیجئے، کسی مجاہد کی راہ پر چلئے، یا پھر تمام مستضعفین (Depressed) اور مظلومین اور ستم رسیدہ (Oppressed) مل کر ایمانی قوت سے سرشار ہو کر اللہ کے دین کی سربلندی کیلئے اٹھ کھڑے ہوں، اگر اللہ کا دین اور نظام مصطفیٰ ﷺ اپنی اصل، کامل اور جامع شکل میں نافذ ہو جائے تو پھر اس کے سائے میں سب کیلئے امان ہوگا، عافیت ہوگی، ہر ایک کے دکھ کا درماں اور درد کا مداوا ہوگا، دنیا بھی سکون کا گہوارہ ہوگی اور عاقبت بھی فلاح کی ضامن ہوگی۔

سیاسی زعماء سے گزارش:

انسانی جان بڑی قیمتی چیز ہے، یہ خالق ازل کی شان تخلیق کا سب سے بڑا مظہر ہے، اس کے ضیاع و اتلاف اور ہلاکت کو نہ تو اپنی تائید و حمایت کا میزان و معیار بنائیں، نہ اس پر جشن منائیں، نہ اس کی ترغیب دیں اور نہ اس کی حوصلہ افزائی کریں، بلکہ اس پر کف افسوس ملیں کہ ہم نے آزادی کے باون سال بعد ملک و قوم کو کس مقام پر پہنچا دیا ہے اور اس صورت حال کے ازالے کے لئے ہمیں کیا تدبیر اختیار کرنی چاہئے، وجود انسانی کا آبگینہ توڑنا نہیں، جوڑنا عبادت ہے، قدرت تو خود اپنی اس تخلیق اور شاہکار پر ناز کرتی ہے، ارشاد فرمایا: ''اور اس نے تمہاری صورت بنائی اور کیسی حسین صورت بنائی اور (تمہیں) اسی کی جانب لوٹنا ہے، (التغابن:۳)''۔ یہ جان اگر قربان ہو تو اسی کے نام پر جس نے اسے تخلیق کیا، اور اس شان نیازمندی کے ساتھ کہ

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
اگرچہ پیر ہے آدم، جواں ہیں لات و منات
یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات!
(اقبالؒ)

ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج

فرقان کیا ہے؟

سوال: سورۂ فرقان کی آیت نمبر ۲۹ میں ہے۔ تقویٰ اختیار کرو تو اللہ تمہیں فرقان عطا فرمائے گا کہ کیا صحیح ہے؟ کیا غلط ہے؟ کیا اس کا تعلق علم، سائنس، ذہن انسانی کے ارتقاء و ایجادات سے نہیں ہے؟ کیا یہ صرف عطیہ ربانی ہے؟ عطیہ انسانی ارتقا نہیں ہے؟ <u>ف، جیم (کراچی)</u>

میرے محترم! آپ کے سوال کا تعلق، جس آیت سے ہے وہ الفرقان میں نہیں بلکہ الانفال میں ہے۔ پوری آیت یوں ہے۔ یا ایھا الذین امنو ان تتقواللہ یجعل لکم فرقان و یکفر منکم سیئاتکم و یغفر لکم واللہ ذوا الفضل العظیم ۔ اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے قوانین پر چلو تو وہ تمہیں صحیح اور غلط میں امتیاز کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور فرمائے گا۔ اور تمہاری غلطیوں کو تم سے دور فرمائے گا اور (آئندہ کی غلطیوں سے تمہاری) حفاظت فرمائے گا۔ اس آیت میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کا صلہ درج ذیل نتائج کی صورت میں بیان ہوا ہے۔

۱۔ فرقان ۲۔ کفارہ سیئات ۳۔ اور آئندہ غلطیوں سے (حفاظت)

آیت میں موجود ''ان'' حرف شرط ہے جیسے اردو میں اگر مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے اللہ کا تقویٰ اختیار کیا تو تمہیں ان نعمتوں سے بہرہ ور کیا جائے گا۔ کیا مطلب؟ مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے تقویٰ اللہ اختیار نہیں کیا تو ظاہر ہے کہ ان نعمتوں سے دور کر دیے جاؤ گے۔

میرے محترم! آپ نے چونکہ ''فرقان'' کے بارے میں پوچھا ہے۔ اس لیے ''جعل فرقان'' کا سبب اصلی (علت) جانے بغیر، آپ فرقان (اور دوسری دو حقیقتوں کو) نہیں سمجھ سکتے۔ واضح رہے کہ اس مقام پر ''فرقان'' کسی موجود فی الخارج شے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ تقویٰ اللہ کے نتیجے میں ظاہر ہونے والی شے کو ہی فرقان کہا گیا ہے۔ ''تقویٰ اللہ'' دراصل اللہ کا نازل کردہ وہ قانون ہے، جسے اختیار کرنے کے صلے میں، یہ نتائج آپ سے آپ پیدا ہو جاتے ہیں۔ چونکہ یہ نتائج خداوند عالم کے قانون مشیت کے تحت پیدا ہوتے ہیں۔ اس لیے خدا ہی کے پیدا کردہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے تقویٰ اختیار کرنے

کے ناگزیر نتائج بلکہ فوائد وثمرات کو بطور جزاء کے خود ہی بیان بھی فرمادیا ہے۔

رہ گیا یہ سوال کہ فرقان کیا ہے؟ تو آیئے اسکی تفصیل جاننے کے لئے ہم قرآن مجید سے رہنمائی لیتے ہیں۔ المعجم المفهرس للالفاظ القرآن الكريم کے مطابق لفظ "الفرقان" چھ مقامات پر آیا ہے۔ اس سلسلے کی پہلی آیت سورۂ بقرہ/۵۳ میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو۔ واذ اتينا موسى الكتاب و الفرقان لعلكم تهتدون ۔ اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فرقان دی تا کہ (اے قوم موسیٰ) تم کامیاب وکامران ہوسکو۔

آپ نے دیکھا کہ موسیٰ کو کتاب اور فرقان دینے کی بات کی گئی ہے۔ یہاں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ آیت میں موجود "واؤ" کو اگر "تفسیری" معنی میں لیا جائے تو یہ ایک ہی حقیقت کے دو نام ہوں گے ۔ یعنی کتاب کی حقیقت، حق و باطل کے درمیان فرق کردینے کی ہوگی اسلئے فرقان سے مراد بھی وہی کتاب ہے جو موسیٰ کو دی گئی۔ لیکن "واؤ" کو اگر "عاطفہ" مانا جائے تو پھر یہ دو الگ الگ حقیقتوں کے دو الگ الگ نام ہوں گے۔ یعنی جس طرح کتاب موجود فی الخارج کسی حقیقت کا نام ہے تو فرقان بھی کسی ایسی ہی دوسری حقیقت کا نام ہے۔ جو پیغمبر (موسیٰ) کی نبوت کی سچائی کا ایک کھلا ہوا نشان بنکر ظاہر ہوئی۔ میرا مطلب ہے کہ یہاں فرقان کے لفظ میں موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا بیان ہے۔

میرے محترم! آپ نے فرق ملاحظہ کیا آپ کے سوال کے جواب میں اوپر بتایا گیا تھا کہ وہاں لفظ فرقان، خارج میں موجود کسی شئے کے طور پر نہیں آیا ہے۔ جبکہ یہاں وہ ایک ایسی حقیقت کے طور پر آیا ہے۔ جو خارج میں موجود ہے۔ کیا سمجھے آپ؟

میرا مطلب ہے کہ سورۂ انفال کا "فرقان" تقویٰ کا نتیجہ ہے، جبکہ سورۂ بقرہ کا "فرقان" کسی امر کا نتیجہ نہیں بلکہ کتاب یا پھر کتاب ہی کی مانند، خارج میں موجود کسی "امر واقعہ" کا صفاتی نام ہے۔

اسی سورہ (بقرہ) میں ذرا آگے چل کر (آیت نمبر ۱۸۵) یہ لفظ یوں استعمال ہوا ہے۔ شهر رمضان الذى انزل فيه القرآن هدى للناس و بينات من الهدىٰ و الفرقان (الی آخر الایہ) اس آیت میں هدى للناس ۔ بينات من الهدى ۔ و الفرقان کے بارے میں دو تفسیریں ہوسکتی ہیں۔ ایک تفسیر کے مطابق هدى للناس علم نحو کی رو سے قرآن کا "حال" ہے۔ یعنی قرآن لوگوں کا ہادی ورہنما ہے اور بنيات من الهدى بھی قرآن کا حال ہے۔ یعنی اسمیں ہدایت کی کھلی اور روشن نشانیاں ہیں اور الفرقان بھی چونکہ الهدى پر معطوف اور من کے تحت ہے اس لئے یہ بھی قرآن ہی کا حال ہے۔ اور دوسری تفسیر کے مطابق هدى للناس، شھر رمضان کی "خبر" ہے۔ مطلب یہ کہ ماہ رمضان، لوگوں کے لئے

ہادی ورہنما ہے نیز بنیات من الھدیٰ بھی ماہ رمضان کی خبر ہے یعنی اس ماہ میں ہدایت کی روشن نشانیاں موجود ہیں۔ نیز الفرقان بھی ماہ رمضان کی خبر کا آئینہ دار ہے ۔ مطلب یہ کہ اسمیں اچھے اور برے کی، خیر و شر کی، نیک و بد اور حق و باطل کی تمیز ہو جاتی ہے۔ یوں یہ ماہ مبارک لوگوں کے لئے ایک کسوٹی اور میزان بن جاتا ہے۔

اس وضاحت سے آپ یقیناً سمجھ گئے ہوں گے کہ یہاں فرقان کا لفظ یا تو قرآن کے لئے آیا ہے یا پھر ماہ رمضان کے لئے۔ بہرحال ہر دو معنی میں "فرقان" موجود فی الخارج شے کا نام ہے۔

اب فرقان کے سلسلۂ بیان کی تیسری آیت ملاحظہ فرمایئے۔

وانزل التوراة والانجيل من قبل هدى للناس وانزل الفرقان (آل عمران/۳)

اور اس نے قبل ازیں توراۃ وانجیل اتاریں جو لوگوں کے لئے ہادی ورہنما تھیں اور اس نے فرقان بھی اتارا۔ اس آیت کے شروع میں فرمایا گیا تھا۔

نزّل عليك الكتاب بالحق مصدقا لما بين يديه ۔ال عمران/۳

اس نے آپ پر (اے رسول محترم) خصوصی کتاب اتاری، جو سراسر حق ہے۔ اور جو کچھ ان (یہود و نصاریٰ) کے ہاتھوں میں ہے اسکی مصدق ہے۔

یہاں فرقان کے معنی کو سمجھنے کے لئے پوری آیت کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے۔ نـزل عـليك الكتاب ۔ ہم نے آپ پر کتاب اتاری۔ پھر اسی مقام پر یہ فرمایا گیا۔ و انزل الفرقان ۔ ہم نے فرقان اتارا۔

ظاہر ہے کہ ایک ہی آیت میں کتاب و فرقان اتارنے کی جو بات کی گئی ہے وہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۵۳ کی طرح ہر دو حال سے خالی نہیں۔ ایک حال کے مطابق فرقان کا لفظ کتاب کے وصف کو نمایاں کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔ بایں معنی یہ قرآن مجید کا صفاتی نام ہوا۔ اور توریت وانجیل کے ذکر کے بعد فرقان کا لفظ لانے کا مطلب اس کے سوا کیا ہوسکتا ہے کہ توریت وانجیل کے محرف ہونے کو واضح کر دیا جائے کہ اب حق و باطل کے مابین فرق قائم کرنے والی کتاب فقط وہی ہے۔ جو اے رسول! آپ پر اتاری گئی ہے۔

دوسرے حال کے مطابق فرقان کا لفظ، حضور نبی کریم ﷺ کے نشانات نبوت کے طور پر آیا ہے جو آپکی نبوت و رسالت کی سچائی کو مبرھن کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً ظاہر کئے جاتے رہے ہیں۔ بہر حال ان ہر دو معنی کی رو سے "فرقان" موجود فی الخارج شے کو کہا گیا ہے۔

اوراب یہاں نزّلنا اور انزل کے حوالہ سے عرض کروں گا۔ آیت میں نزّلنا کے دو مفعول بیان ہوئے ہیں۔ مفعول اول آنحضرت ﷺ کی ذاتِ گرامی اور مفعولِ ثانی، کتاب ہے۔ جبکہ انزل کا مفعول فقط ایک بیان ہوا ہے یعنی فرقان اور اس کا دوسرا مفعول غائب ہے اسلیے مفعول ثانی کے غیر متعین ہونے کی وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ فرقان کے لفظ سے وہ عقل سلیم یا نورِ قلب، یا بصیرت ایمانی مراد ہوسکتی ہے، جو آسمانی کتابوں کی روشنی میں بتدریج انسان کو میسر آتی ہے۔ اس معنی کی رو سے "فرقان" موجود فی الخارج کسی شے کا نام نہیں ہوگا بلکہ وہ فیض خداوندی ہوگا، جو اتباعِ وحی کے نتیجے میں انسان کو خدا کی مشیت کے تحت نصیب ہوتا ہے اور وہ اس کی مدد سے حق و باطل کے درمیان امتیاز قائم کرلیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ امتیاز پیدا کرنے والی شے داخلی ہی ہوسکتی ہے۔

اس وضاحت کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس آیت میں فرقان کا لفظ یا تو قرآن کے لئے آیا ہے یا پھر حضور نبی کریم ﷺ کے نشانات نبوت کے ثبوت کے لئے آیا ہے یا پھر عقل سلیم، نورِ قلب اور بصیرت ایمانی کے اثبات کے لئے آیا ہے۔

ہمارے سلسلۂ بیان کی چوتھی آیت یہ ہے۔

وما انزلنا علی عبد نا یوم الفرقان۔۔(الانفال/۴۱)

اور جو کچھ ہم نے اپنے بندہ خاص پر یوم الفرقان کو اتارا۔

اس آیت میں فرقان کا لفظ یوم کی اضافت کے ساتھ آیا ہے جس کا مطلب ہے فیصلہ کا دن۔ یعنی وہ دن، جس نے حق و باطل کے مابین فیصلہ کردیا۔ یہ غزوۂ بدر کا دن تھا۔ جسے آگے حصلا یوم التقی الجمعان بھی کہا گیا ہے۔ یعنی دو گروہوں کے درمیان مٹھ بھیڑ کا دن۔

اوراب پانچویں آیت دیکھئے۔

ولقد اٰتینا موسیٰ وھارون الفرقان و ضیا و ذکر للمتقین ۔(الانبیا/۴۸)

اس آیت کے مطابق موسیٰ اور ہارون کو جو کچھ دیا گیا تھا۔ اسے فرقان اور ضیاء کا نام دیا گیا ہے۔ میرے نزدیک یہاں فرقان سے مراد موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی وحی ہے، اور ضیاء، ہارون علیہ السلام پر نازل ہونے والی وحی۔ یہ وحی اس لحاظ سے فرقان تھی کہ اس سے حق و باطل میں تمیز قائم ہوجاتی تھی۔ اور ضیاء اس لحاظ سے کہ اسمیں ہر قسم کی ذہنی و اخلاقی، علمی و عملی اور اعتقادی و روحانی ظلمتیں کافور کرنے کا کماحقہ سامان موجود تھا۔ وحی خداوندی کے یہ دونوں نام ان کے اوصاف کے اعتبار سے ہیں۔ اور اس وحی خداوندی کو ذکر للمتقین اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ اس میں انفس و آفاق کے حقائق کی یاد

دہانی اور تذکیر بھی موجود تھی۔

اس وضاحت کے بعد یقیناً آپ جان گئے ہوں گے کہ یہاں فرقان کس معنی میں آیا ہے؟

اوراب ہمارے سلسلۂ بیان کی آخری آیت ملاحظہ فرمایئے۔

تبارک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون للعلمین نذیرا ۔(الفرقان/۱)

تمام برکتوں کی حامل اور اپنی مخلوق کو ہمہ اقسام کی برکتیں عطا کرنے والی ذات کہ جس نے اپنے بندہ خاص پر فرقان اتارا، جو تمام جہانوں کے لئے باعث انذار ہے۔

ظاہر ہے کہ اس مقام پر "فرقان" سوائے قرآن کے کسی اور معنی میں نہیں لیا جاسکتا۔ یہ وحی (قرآن) خدا کی طرف سے اتاری گئی وہ آخری کسوٹی اور میزان ہے جسکی روشنی میں حق و باطل، خیر و شر، اور صحیح و غلط کے درمیان فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اس معنی کی رو سے اسے یہاں "فرقان" کے صفاتی نام سے یاد کیا گیا ہے۔ خلاصہ کے طور پر عرض ہے کہ لفظ "فرقان" پورے قرآن میں خارج میں موجود کسی نہ کسی حقیقت کے اظہار کے مختلف اسمائے گرامی کے طور پر آیا ہے۔

کہیں وہ انبیائے کرام پر نازل ہونے والی وحی ہے۔ تو کہیں انبیائے کرام کے تعلق سے ظاہر ہونے والا نشان۔۔ کہیں وہ ماہِ رمضان کا نام ہے تو کہیں یوم بدر کا نام، اور کہیں وہ آنحضرت ﷺ پر نازل ہونے والی آخری اور محفوظ وحی کا جگمگاتا ہوا صفاتی نام گویا صحیح معنی میں اسم با مسمّٰی۔

البتہ سورۂ الانفال کی آیت ۲۹ میں لفظ فرقانا جو آیا ہے وہ اس صلاحیت، خوبی اور قوت کے لیئے آیا ہے۔ جو وحیٔ خداوندی کی رو سے، ہر اس شخص کو میسر آتی ہے، جو قانون خداوندی کا پیکر بن جاتا ہے۔ اور یہ کمال، تقویٰ کا وہ نتیجہ ہے جو خارج میں موجود کسی حقیقت کا نام نہیں بلکہ اس عقل سلیم اور نور قلب کا نام ہے، جو تقویٰ کی رو سے از روئے مشیت خداوندی، انسان کو میسر آجاتا ہے۔ جسکی روشنی میں وہ تمیز کرنے لگتا ہے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟ پھر ظاہر ہے کہ اس صحیح اور غلط کی پہچان کے دائرہ فکر و عمل میں وہ تمام علوم اور فنون بھی آجاتے ہیں جنکی بنیاد پر وہ تسخیر کائنات کے پروگرام میں سرگرم عمل ہوجاتا ہے۔ ذہن انسانی کے ارتقائے مستقیم میں یہ صلاحیت، کلیدی کردار کی حامل ہوتی ہے۔ پھر انسانیت کی قطع بخش اور فیض رسانی کے لئے نت نئی چیزیں وجود پذیر ہوتی رہتی ہیں۔ بلاشبہ "یہ فرقان" (یعنی صراطِ مستقیم میں ارتقائے انسانی) دراصل خداوند عالم کا بہت بڑا عطیہ ہے۔ وہ لوگ بڑے خوش نصیب ہیں، جنہیں "فرقان" کی دولت نصیب ہوتی ہے۔

آخر میں یہ واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ دولت بے بہا، صرف انہی لوگوں کے حصے میں

آتی ہے جو قوانین خداوندی پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اور اسی جذبے سے سرشار ہوتے ہوئے کائنات کو تسخیر کرنا چاہتے ہیں۔

کیا چاند گرہن کا وقت ایک منحوس گھڑی ہے؟

سوال: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ چاند گرہن کا وقت ایک منحوس گھڑی ہے اور یہ انسانوں پر ایک کٹھن وقت ہوتا ہے لہٰذا اس وقت کسی قسم کی خوشی کا اظہار نہیں کرنا چاہیے اور کھانے پینے سے گریز کرنا چاہیے۔ البتہ زیادہ سے زیادہ قرآن پاک کی تلاوت کرنی چاہیے اور نوافل ادا کرنے چاہئیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ آیا یہ باتیں درست ہیں یا غلط۔ اگر نہیں تو اسوقت کو گزارنے کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ (انجینئر شہزاد ندیم۔ دبئی)

میرے محترم! گرہن یا گہن سورج کا ہو یا چاند کا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خلقت و قدرت کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔ نظام شمسی کا مطالعہ جہاں ہمیں اس امر سے روشناس کراتا ہے کہ سورج یا چاند گرہن کیوں اور کیسے ہوتا ہے؟ وہیں ہمیں اس حقیقت سے بھی متعارف کراتا ہے کہ سورج اور چاند ہر دو دراصل، قانون فطرت کے قاعدوں اور ضابطوں میں کچھ اسطرح جکڑے ہوئے ہیں کہ اس سے سرِ مُو انحراف نہیں کر سکتے اور یوں گرہن ایک بڑی نشانی بن جاتا ہے آفتاب و ماہتاب کے مجبور و مقہور ہونے کی، پھر یہ امر آپ سے آپ واضح ہو جاتا ہے کہ جو مجبور محض ہو۔ وہ یقیناً خالق نہیں ہو سکتا چنانچہ یہ گرہن ان ہر دو کے مخلوق ہونے کی زبردست دلیل ہے پس ظاہر ہے کہ جو مخلوق ہو وہ ہرگز لائق پرستش نہیں۔ انہیں (یعنی گرہن میں) زبردست ردّ ہے انکا کہ جو شمس و قمر کی پوجا کرتے ہیں اور وہ گرہن کی یہ حکمت سمجھنے سے قاصر ہیں کہ سورج اور چاند، بوقت گرہن بزبان حال پکار پکار کر عالم کائنات کو متنبہ کرتے ہیں کہ "اے ہماری پرستش کرنے والو! ہماری چال اور ہمارے حال کو اپنی اپنی قسمتوں پر سعد و نحس ساعتوں کے حوالے سے اثر انداز ہونے کا عقیدہ رکھنے والو! کیوں شرک میں مبتلا ہوتے ہو۔ ہم تو محض تمہاری طرح ایک مخلوق ہیں اور مخلوق کا کام اپنی عبادات کرانا نہیں بلکہ عبادت کرنا ہے"۔ جیسا کہ سورۂ رحمٰن میں ارشاد ہوا" الشمس والقمر بحسبان (۵۵/۵)" ترجمہ۔ اور سورج اور چاند ایک حساب کے ساتھ (محو گردش) ہیں۔ نیز سورۂ بقرہ کی ایک آیت میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کا چاند کے گھٹنے اور بڑھنے کی کیفیت سے متعلق ایک سوال اور اسپر رسول پاک ﷺ کا جواب بھی اس ضمن میں ہمیں یوں حقیقت آشنا کرتا ہے۔ "یسئلونک عن الاھلۃ قل ھی مواقیت للناس (البقرہ/۱۸۹)۔۔ الخ۔ ترجمہ۔

اور یہ لوگ آپ سے چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرمادیں کہ چاند کا گھٹنا بڑھنا لوگوں کے لیئے ان کے اوقات کی تعیین ہے۔ یعنی لوگوں اور قوموں کی قسمتوں کے بننے اور بگڑنے کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا اسکے منحوس ہونے کا تصور و عقیدہ، خواہ وہ (یعنی چاند) کسی حال میں ہو۔ ابتدائی تاریخوں میں ہو یا انتہائی تاریخوں میں ایام گرہن میں ہو یا ایام بیض میں، بہر حال سراسر غیر اسلامی و غیر قرآنی تصور و عقیدہ ہے۔

اور اب اس گرہن سے متعلق چند احادیث ملاحظہ ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ "سورج اور چاند، خدا کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ نہ تو ان میں کسی کی موت سے گرہن ہوتا ہے اور نہ کسی کے پیدا ہونے سے۔ پس جب تم گرہن دیکھو تو خدا کو یاد کرو"۔ (متفق علیہ)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جب تم گرہن دیکھو تو خدا سے دعا کرو، تکبیر کہو، نماز پڑھو اور خیرات کرو"۔ (متفق علیہ) حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سورج گرہن ہوا تو رسول اللہ ﷺ گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور قیامت کا سا خوف ان پر طاری ہو گیا، پھر آپ مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھی، جسکا قیام، رکوع اور سجدہ اسقدر طویل تھا کہ میں نے کبھی اتنا طویل قیام، رکوع اور سجدہ نہیں دیکھا پھر آپ نے فرمایا کہ یہ نشانیاں، جنکو اللہ بھیجتا ہے نہ تو کسی کی موت کے سبب سے ہوتی ہیں اور نہ کسی کی پیدائش کا نتیجہ۔ لیکن اس ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ پس جب تم اس قسم کی نشانیوں میں سے کچھ دیکھو تو خدا سے ڈرو اور خدا کا ذکر کرو۔ دعا مانگو اور مغفرت چاہو۔ (متفق علیہ) اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ یہ کہا کرتے تھے کہ سورج اور چاند اسوقت گرہن میں آتے ہیں جبکہ دنیا کے سرداروں میں سے کوئی بڑا سردار مر جاتا ہے۔ جان لو کہ سورج اور چاند نہ تو کسی کی موت سے گرہن میں آتے ہیں اور نہ کسی کی پیدائش سے اور یہ دونوں بھی خدا کی مخلوقات میں سے دو مخلوق ہیں۔ خدا اپنی مخلوق میں جو چاہے تغیر کرے۔ پس ان میں سے جب کوئی گرہن میں آئے تو تم نماز پڑھو۔ اسوقت تک جب تک کہ وہ روشن نہ ہو جائے یا خداوند تعالیٰ کوئی حکم ظاہر نہ فرمادے"۔ (سنن نسائی)

مندرجہ بالا تصریحات کے بعد اب آپ کے سوال کا اجمالاً جواب حاضر خدمت ہے۔ چاند گرہن کو منحوس سمجھنا سراسر غلط ہے۔ اس وقت کو گزارنے کا شرعی طریقہ اوپر احادیث میں مذکور ہوا، اس پر عمل کیا جائے۔